

منظوم ترجمہ و تفسیر قرآن کار جحان اور بر صغیر میں اس کی مقبولیت

(ابتدا و ارتقا، قبول و عدم قبول کے اسباب و خدشات کا ایک جائزہ)

محمد احمد رضاہ

قرآن کریم اپنے نزول کے وقت سے مسلمانوں کے غور و تدبر کا میدان رہا ہے۔ دائرہ اسلام کے وسیع ہونے کے نتیجے میں جو نئی ضروریات پیش آئیں ان میں قرآن کو اہل عجم کے لیے قابل فہم بنانے کی ضرورت بھی سرفہرست تھی جس کے لیے قرآن کریم کے تراجم کی ضرورت سامنے آئی۔ ہمارا خطہ بر صغیر میں اس سلسلے میں سرفہرست ہے جہاں عالمی اور مقاموں زبانوں میں بے شمار تراجم ہوئے۔ ان تراجم کے اسالیب میں ایک اسلوب منظوم ترجمے کا بھی ہے۔ زیر نظر مقالے میں اس خطے میں اس طرز ترجمہ کی ابتدا و ارتقا اور قبول و عدم قبول کے اسباب و خدشات پر روشنی ڈالی جائے گی۔

سنہ ۲۷۰ھ کے لگ بھگ ایک ہندوستانی راجہ کی فرمائش پر ایک عراقی نژاد عالم نے راج الوقت ہندوستانی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا،^(۱) یہ ترجمہ بر صغیر میں کیا گیا پہلا ترجمہ قرآن قرار پایا، اُس وقت سے لے کر آج تک اس زرخیز خطے نے قرآن کریم کے ہزاروں خدام پیدا کیے، جنہوں نے اس کتاب مقدس کی خدمت میں اپنی خداداد علمی و ادبی صلاحیتوں کو ایسے ذوق و شوق سے صرف کیا کہ زمانے کو اچھوتے رجحانات اور نت نئے اسالیب سے روشناس کروایا،^(۲) چنانچہ صنعت مہملہ^(۳) میں لکھی گئی عربی تفسیر سواطع الإلهام اس

۵ فاضل درس نظامی، فاضل تخصص فی الحدیث، جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔ (raqimriza@gmail.com)

۱- قاضی محمد اطہر مبارکپوری، رجال الهند و السنند، اردو ترجمہ از مولانا عبد الرشید بستوی، سندھ و ہند کی قدیم شخصیات،

(کراچی: مکتبہ خدیجہ الکبریٰ، ۱۳۲۶ھ / ۲۰۰۵ء)، ۳۵۷-۳۵۸۔

۲- مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے: محمد رضی الاسلام ندوی، ”بیسویں صدی عیسوی میں عربی زبان میں علمائے ہند کی

قرآنی خدمات“، ماہنامہ تعمیر افکار کراچی، قرآن کریم نمبر، شمارہ اگست، ستمبر، اکتوبر (۲۰۱۰ء)، ۲: ۱۹۳-۲۰۶؛ عبید اللہ فہد

فلاحی، ”ہندوستانی عربی ادبیات میں تفسیری رجحانات کا مطالعہ“، ماہنامہ تعمیر افکار کراچی، قرآن کریم نمبر، نفس مرجع، ۲:

۲۰۷-۲۲۰۔

۳- صنعت مہملہ، اسے صنعت عاقلہ اور غیر منقوطہ بھی کہتے ہیں، یعنی ایسی عبارت یا نظم لکھنا جس میں حروف منقوطہ نہ ہوں،

صرف حروف مہملہ ہوں (عجم الغنی خاں نجمی رام پوری، بحر الفصاحت، تدوین کمال احمد صدیقی (نئی دہلی: قومی کونسل

برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۰۶ء)، ۲: ۱۳۰۰۔)

کی ایک جیتی جاگتی دلیل ہے،^(۴) منظوم ترجمہ و تفسیر قرآن کا رجحان بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، جس میں برصغیر کو اگر اولیت حاصل نہیں تو پوری دنیا میں ایک ممتاز مقام ضرور حاصل ہے۔

قرآن کریم کے منظوم ترجمہ و تفسیر کے رجحان کی ابتدا

خلاق ازل نے جب انسان کو قوت گویائی دی اور انسان نے اس قوت کو اپنے خیالات کے اظہار کے لیے استعمال کرنا سیکھا، اسی وقت سے اس کو ادائے خیال کے دو طبعی طریقے یعنی نظم و نثر ملے، چنانچہ انسانیت زمانہ قدیم ہی سے طرزِ نظم سے آشنا ہو چکی تھی، بلکہ سب سے پہلے انسان، حضرت آدم علیہ السلام کی طرف کچھ اشعار بھی منسوب ہیں،^(۵) نتیجہ یہ ہے کہ آج ہر ملک، ہر قوم اور ہر زبان کے ادب میں یہ دونوں صنفیں قدرِ مشترک کی طرح پائی جاتی ہیں۔^(۶)

۴- برصغیر کی معروف شخصیت ابو الفضل فیض اللہ بن مبارک فیضی (۹۵۴ھ - ۱۰۰۳ھ) اور ان کی اس تفسیر سے متعلق تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے: محمد عارف اعظمی عمری، تذکرہ مفسرین ہند (اعظم گڑھ (ہند): دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، ۲۰۰۶ء)، ۱: ۸۹-۱۰۲۔

قاضی عبدالصمد صارم اس تفسیر سے متعلق تحریر فرماتے ہیں: ”یہ تفسیر عبارت بے نقط میں لکھی گئی ہے، دو جلدیں ہیں مصنف کے کمال ادب عربی کی شاہدِ عادل ہے، دو برس اس کی تصنیف پر صرف ہوئے، باعتبار ادب ایسی تفسیر نہ پہلے لکھی گئی اور نہ آج تک لکھی گئی ہے، نہ آئندہ امید ہے، مستند محدثین مثل شیخ یعقوب صیرنی کشمیری کی اس پر تقاریظ ہیں، ہندوستان اس تفسیر پر جس قدر فخر و ناز کرے زیبا ہے، یہ ہندی عالم کا بے نظیر کارنامہ ہے۔“ (عبدالصمد صارم، تبیان الراجح معروف بہ تاریخ التفسیر (کراچی: میر محمد کتب خانہ، ۱۳۵۵ھ)، ۶۲)۔

تاہم قاضی صاحب موصوف کے خلاف توقع اسی صنعت مہملہ میں کچھ اور تفسیر بھی معلوم ہوئی ہیں، چنانچہ شیخ علی بن محمد آمدی شافعی (متوفی ۱۲۱۰ھ) کی تفسیر سورۃ الفاتحہ اور امداد علی بن رحمن بخش کنتوری (۱۲۱۸ھ - ۱۲۹۲ھ) کی تفسیر سورۃ یوسف بھی صنعت مہملہ میں ہیں (اسماعیل پاشا بغدادی، ایضاح المکنون ذیل کشف الظنون (بیروت: دار إحياء التراث، ب ت)، ۱: ۳۰۷؛ وعبدالحی حسنی، الثقافة الإسلامية في الهند، مراجعة و تقديم أبو الحسن علي الندوي (دمشق: مجمع اللغة العربية، ۱۹۸۳ء)، ۱۷۰ اور اسی طرح شام (دمشق) کے معروف عالم شیخ محمود آفندی (متوفی ۱۳۰۵ھ) نے اوائل عمر میں درر الأسرار کے نام سے ایک غیر منقوٹ تفسیر لکھی ہے (قاضی محمد زاہد الحسینی، تذکرہ المفسرین (انک: دارالارشاد، ۱۳۲۵ھ)، ۳۰۶)۔

۵- ابو زید محمد بن ابی الخطاب القرشی، جہرۃ أشعار العرب في الجاهلية والإسلام، تحقیق وضبط علی محمد البجادی (مصر: مکتبہ نہضۃ، ب ت)، ۳۰-۳۱۔

۶- عمر فروخ، تاریخ الأدب العربي (بیروت: دار العلم للملایین، ۲۰۰۶ء)، ۱: ۴۴؛ سید امداد امام اثر، کاشف الحقائق معروف بہ بہارستان سخن، ترتیب وہاب اثرنی (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۱۹۹۸ء)، ۹۴۔

دوسری جانب یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ شاعر جہاں اپنے خیالات کا اظہار کیا کرتا ہے، وہیں وہ دوسروں کے خیالات بھی اپنی نظم کے پیرائے میں بیان کرتا ہے، جب کہ اپنی تعبیر اور اپنے الفاظ میں کسی دوسرے کے خیالات کا اظہار ہی ”ترجمہ“ کہلاتا ہے، اسی لیے ترجمہ میں نثر کی طرح نظم کے استعمال کی ریت خاصی قدیم چلی آرہی ہے۔ البتہ یہاں یہ سوال قابل غور ہے کہ قرآن کریم کے منظوم ترجمہ و تفسیر کے رجحان کی ابتدا کب اور کہاں سے ہوئی؟ سر دست اس سوال کا جواب دینا خاصا مشکل ہے، تاہم تاریخ کا درج ذیل حوالہ اس تناظر میں خصوصی توجہ کے لائق معلوم ہوتا ہے:

”الرا“ کے راجہ مہروک بن رائق نے ۲۷۰ھ میں حاکم منصورہ عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کو خط لکھا، اس میں اس سے درخواست کی کہ ہندوستانی زبان میں مذہب اسلام کی تشریح و تفسیر میرے لیے کر دی جائے، حاکم منصورہ نے ایک عراقی نژاد شخص کو بلا یا، جو بہت تیز طرار، زیرک اور سمجھ دار، نیز بلند قامت شاعر بھی تھا، اس کی نشوونما چوں کہ ہندوستان ہی میں ہوئی تھی اس لیے اسے ہندوستان کی مختلف زبانیں آتی تھیں، حاکم منصورہ نے راجہ ”الرا“ کی خواہش اسے بتائی، چنانچہ اس نے ایک لمبی نظم کہی، جس میں مذہب اسلام کی جامع تعریف و تشریح ذکر کی، حاکم منصورہ نے یہ نظم راجہ ”الرا“ کے یہاں بھجوا دی، جب راجہ ”الرا“ کے سامنے یہ نظم پڑھی گئی تو اسے بہت پسند آئی اور حاکم منصورہ کے نام دوسرا خط لکھ کر درخواست کی کہ نظم لکھنے والے کو اس کے پاس بھیج دیا جائے، چنانچہ وہ شخص گیا اور پورے تین سال تک اس کے یہاں قیام پذیر رہا۔

جب منصورہ واپس آیا تو حاکم منصورہ امیر عبداللہ نے اس سے راجہ ”الرا“ کی بابت معلوم کیا، اس نے اس کے تمام حالات بیان کیے، اور کہا کہ جب میں راجہ ”الرا“ کے یہاں سے رخصت ہوا تھا اس وقت وہ دل و زبان سے اسلام قبول کر چکا تھا، مگر حکومت و سلطنت چلی جانے کے اندیشے سے اس کا اعلان نہ کر سکا تھا۔ اس شخص نے یہ بھی بتایا کہ راجہ ”الرا“ نے مجھ سے کہا کہ میں ہندوستانی زبان میں قرآن کریم کی تفسیر و تشریح اس کے سامنے بیان کروں۔ تفسیر کرتے ہوئے جب میں سورہ یسین تک پہنچا اور درج ذیل آیت کی تشریح کی: ﴿قَالَ مَنْ يُحْيِي

الْعِظْمَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿۷۸﴾ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿۷۹﴾

تو وہ اپنے تخت سے اٹھا اور فرش پر چلنے لگا، فرش کچا تھا اور پانی کا چھڑکاؤ ہونے کے سبب تر بھی، اس نے اپنی پیشانی زمین پر رکھ دی اور زار و قطار رونے لگا یہاں تک کہ اس کی پیشانی کیچڑ آلود ہو گئی۔۔۔۔۔ اس شخص نے یہ بھی بتایا کہ راجہ ”الرا“ نے اسے تین دفعہ میں سات سومن سونا عطا کیا۔“ (۷)

- یہی وہ حوالہ ہے جس کی بنا پر اس عراقی نژاد عالم کے کیے ہوئے ترجمہ کو برصغیر کا اولین ترجمہ قرآن کہا گیا، تاہم اس اقتباس سے ہمارے پیش نظر درج ذیل نکات ہیں:
- ۱- اس مترجم عراقی عالم کا تعارف ایک بلند قامت شاعر کی حیثیت سے کروایا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے طرزِ نثر کی بہ نسبت طرزِ نظم میں زیادہ کمال حاصل تھا۔
 - ۲- یہی وجہ ہے کہ اس نے مذہبِ اسلام کے تعارف اور تفسیر و تشریح کے لیے بجائے نثر کے، نظم کو بہ طورِ خاص اختیار کیا، حالانکہ مسلمانوں کے ہاں عام طور پر اس جیسے دینی مقاصد کے لیے طرزِ نظم کو اختیار کرنے کا معمول نہیں تھا۔
 - ۳- اس عالم کو ہندوستانی زبان و ادب میں ایسی کامل دست گاہ حاصل تھی کہ اس کی لکھی ہوئی یہ نظم اپنی طوالت اور ایک خالص مذہبی مضمون پر مشتمل ہونے کے باوجود خاصی دل چسپ سمجھی گئی۔
 - ۴- راجہ بھی طرزِ نظم کا ایسا دل دادہ اور قدردان تھا کہ اس نے نظم نگار کے بھیجنے کا مطالبہ کر دیا، پھر اس کو تین سال تک اپنے پاس رکھا اور اسی دوران اس سے قرآنِ کریم کا وہ ترجمہ اور تفسیر کروایا، جو ہندوستان کا اولین ترجمہ قرار پایا۔
 - ۵- راجہ اس ترجمے اور تفسیر کو اس مترجم سے خود سنتا بھی رہا، اور دورانِ سماع اس ترجمہ سے بے حد متاثر ہونے کی شہادت بھی اسی اقتباس میں موجود ہے۔
 - ۶- راجہ کے ہاں اس تین سالہ قیام کے دوران اس عالم نے کچھ ایسے نمایاں کارنامے سرانجام دیے جن کی بنا پر راجہ نے اسے تین بار خصوصی عطایا سے نوازا۔
- ان نتائج کے پیش نظر یہ قیاس آرائی کی جاسکتی ہے کہ جب یہ ترجمہ نگار طرزِ نظم کو نبھانا بہ خوبی جانتا تھا اور یہی طرز اس کی شہرت اور مقبولیت کا باعث بھی تھا اور ترجمہ کا خواہش مند راجہ بھی طرزِ نظم کا رسیا تھا، بلکہ وہ یہ ترجمہ سنا بھی کرتا تھا اور ظاہر ہے کہ طرزِ نثر کی بہ نسبت طرزِ نظم سننے میں زیادہ اثر انداز ہوتا ہے، تو عین ممکن ہے کہ یہ ترجمہ اور تفسیر بھی نظم کی صورت میں ہی ہو!
- تاہم یہ ایک خیال ہے جس پر مزید غور و فکر کی ضرورت ہے، پھر اگر دیگر قرآن سے اس کی تائید ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ برصغیر میں ترجمہ قرآن کا نقطہ آغاز ہی قرآنِ کریم کے منظوم ترجمہ و تفسیر کے رجحان کا نقطہ آغاز بھی تھا، اور برصغیر کی سرزمین ہی اس رجحان کی جائے پیدائش تھی۔

موجودہ تفسیری ادب اور اولین منظوم تراجم و تفاسیر

موجودہ تفسیری ادب اور اس سے متعلق اشاریوں اور فہرستوں کی ایک ناقص سی جستجو کے بعد جو سب سے قدیم منظوم تفسیر ہمارے علم میں آئی ہے وہ ساتویں صدی ہجری میں امام ابو محمد عبدالعزیز بن احمد دیرینی شافعی (۶۱۲ھ - ۶۹۴ھ) کی عربی زبان میں التیسیر فی علم التفسیر ہے،^(۸) اور اس کے بعد عربی زبان میں ہی امام ابو العباس احمد بن ناصر بن خلیفہ باعونی (۷۵۱ھ - ۸۱۶ھ) کی آٹھویں صدی کے اواخر میں لکھی گئی نظم فی التفسیر ہے،^(۹) پھر نویں صدی میں امام احمد بن محمد بن عبداللہ درومی (۷۹۱ھ - ۸۵۴ھ) کے تفسیر فقیہ ابي الليث السمرقندی کے منظوم ترکی ترجمے کا پتا ملتا ہے۔^(۱۰)

واضح رہے کہ ساتویں صدی ہجری سے قبل کے تفسیری ادب میں چند ایسی تفاسیر بھی موجود ہیں جن کے ناموں سے ان کے منظوم ہونے کا شبہ ہوتا ہے، مثلاً تیسری صدی ہجری میں امام ابن ابی داؤد سجستانی (متوفی ۳۱۶ھ) کی نظم القرآن اور اسی طرح چوتھی صدی ہجری میں امام احمد بن سہل بلخی (متوفی ۳۲۲ھ) کی نظم القرآن وغیرہ،^(۱۱) لیکن محض ایسے ناموں کی بنا پر ان کو منظوم کتب تفسیر میں شامل کرنا درست معلوم نہیں ہوتا، کیوں کہ ان کے تذکرہ نگاروں، طبقات مفسرین کی کتب اور کتب تفسیر کے فہارس و اشاریہ جات نے انھی کے منظوم ہونے کی تصریح نہیں کی، جب کہ درج بالا اور ان کے بعد کی متعدد تفاسیر کے منظوم ہونے کا علم انھی مصادر کا مرہون منت ہے، بلکہ جن حضرات نے محض ناموں کی بنا پر ایسی کتب کو منظوم تفاسیر میں شامل کیا ہے وہ سہو کا شکار ہوئے ہیں۔^(۱۲)

-
- ۸- الحافظ شمس الدین محمد بن علی بن احمد الداودی، طبقات المفسرین (مکہ مکرمہ: دار الباز للنشر و التوزیع، ب ت)، ۱: ۳۱۲؛ احمد بن محمد الادوی، طبقات المفسرین (مدینہ منورہ، مکتبۃ العلوم والحکم، ۱۴۱۷ھ)، ۲۵۷۔
- ۹- فہرست مصنفات تفسیر القرآن الکریم، (السعودیہ: مرکز الدراسات القرآنیۃ، مجمع الملک فہد للطباعة للمصحف الشریف، ۱۴۲۴ھ)، ۳: ۱۲۹۸۔
- ۱۰- زاہد الحسینی، تذکرۃ المفسرین، ۲۳۲۔
- ۱۱- فہرست مصنفات تفسیر القرآن الکریم، ۳: ۱۲۹۸-۱۲۹۹۔
- ۱۲- جیسا کہ قاضی محمد زاہد الحسینی نے مولوی ولی اللہ بن مفتی سید احمد علی حسین (متوفی ۱۲۴۹ھ) کی تفسیر نظم الجواہر کو غالباً اس کے نام کے پیش نظر منظوم فارسی تصنیف قرار دیا ہے (تذکرۃ المفسرین، ۲۹۴)، حالانکہ یہ تفسیر منظوم نہیں، اس

اسی طرح علوم القرآن سے متعلق اور علم تفسیر کے اصول، مبادیات و متعلقات مثلاً ”غریب القرآن“ وغیرہ سے متعلق بعض منظومات کو بھی منظوم تفاسیر شمار کیا گیا ہے،^(۱۳) حالانکہ انھیں تفسیر قرآن قرار نہیں دیا جاسکتا، بلکہ بعض حضرات نے تو بہ کثرت اشعار پر مشتمل ہونے کی بنا پر ایک تفسیر کو منظوم تفاسیر میں شمار کر دیا،^(۱۴) حالانکہ وہ اشعار بہ طور استشہاد نقل کیے گئے ہیں۔

الغرض دستیاب و معلوم تفسیری ادب میں سے جن کتب کو یقینی طور پر منظوم تراجم و تفاسیر کہا جاسکتا ہے ان میں سے درج بالا تین کتب ہمارے علم کے مطابق اولین ہیں، اور اسی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ منظوم ترجمہ و تفسیر کے رجحان کو عرب علمی حلقوں میں ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں بھی کوئی خاص پذیرائی حاصل نہ تھی بلکہ اسے خاصے محتاط انداز سے برتا جاتا تھا، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ نویں صدی ہجری میں ترکی زبان نے منظوم ترجمہ و تفسیر کے رجحان کو عربی سے حاصل کر لیا تھا۔

کتاب کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے: سعود عالم قاسمی، ”مولانا ولی اللہ فرنگی محلی کی تفسیر معدن الجواہر“، قرآن مجید کی تفسیریں چودہ سو برس میں (پٹنہ: خدائش لا بیری، ۱۹۹۵ء)، ۲۲۳-۲۳۵۔

۱۳- مثلاً فہرست مصنفات تفسیر القرآن الکریم کے فہرست نگار نے ابن النخعی محمد بن محمد حلبی (متوفی ۸۱۵ھ) کے الألفية في عشرة علوم کو من تفاسیر القرآن الکریم المنظومة کے تحت ذکر کیا ہے (ایضاً، ۳: ۱۶۲۱)، جب کہ اس میں علم تفسیر کا محض تعارف ہے۔ نیز غریب القرآن کی تشریح و تفسیر میں مرتب کیے گئے بعض منظومات کو بھی اسی زمرے میں شامل کیا ہے (فہرست، ۳: ۱۶۲۱) حالانکہ جیسے لغات القرآن کی کتب کو تفسیر نہیں کہا جاسکتا، ایسے ہی غریب القرآن کی کتب کو بھی تفسیر کہنا درست نہیں۔ تفسیر اور متعلقات تفسیر کے مابین فرق کے لیے ملاحظہ فرمائیے: خالد بن عثمان السبت، قواعد التفسیر (بیروت: دار ابن عفان، ۱۴۲۱ھ)، ۱: ۳۲۔

۱۴- ملاحظہ فرمائیے: مولوی فقیر محمد بن محمد عبداللہ، عالمی زبانوں میں تراجم قرآن مجید (لاہور: نوید پبلشرز، ۲۰۰۱ء)، ۱۳۲، اس میں عبدالوہاب بن محمد شیرازی (متوفی ۵۰۰ھ) کی تفسیر میں ایک لاکھ اشعار پائے جانے کی وجہ سے اسے منظوم تفاسیر میں شمار کیا ہے، حالانکہ اوّل تو اس میں ایک لاکھ اشعار کا پایا جانا ہی مشکوک ہے، کیوں کہ طبقات المفسرین میں ایک جگہ اس میں ایک لاکھ اشعار کا ذکر ہے، اور دوسری جگہ صرف پانچ سو اشعار کا ذکر ہے، دوم یہ کہ دونوں جگہ اس بات کی تصریح ہے کہ یہ اشعار بہ طور استشہاد نقل کیے گئے ہیں، ملاحظہ فرمائیے: احمد بن محمد الادنوی، طبقات المفسرین (مدینہ منورہ، ۱۳۸-۱۵۰)۔

منظوم ترجمہ و تفسیر قرآن کا رجحان اور برصغیر

برصغیر کو اگر منظوم ترجمہ و تفسیر قرآن کے رجحان کی جائے پیدائش نہ مانا جائے، تب بھی اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس باب میں برصغیر کو یہ امتیاز اور منفرد مقام حاصل ہے کہ جس کثرت سے منظوم تراجم و تفاسیر یہاں لکھے گئے ہیں، دنیا بھر کی زبانوں میں سے کسی بھی زبان میں نہیں کیے گئے، برصغیر کی چند اہم زبانوں میں کیے گئے منظوم تراجم و تفاسیر کی تعداد کا ایک جائزہ حسب ذیل ہے:

اردو ----- ۱۲۲ (۱۵)

پنجابی ----- ۳۹ (۱۶)

۱۵- اردو کی منظوم کتب تفسیر کی یہ تعداد درج ذیل کتب، مضامین اور اشاریہ جات سے ماخوذ ہے:

مولوی عبدالحق، ”پرائی اردو زبان میں قرآن مجید کے تراجم اور تفاسیر“، سیارہ ڈائجسٹ، قرآن نمبر، لاہور، دسمبر (۲۰۰۱ء)، ۲: ۱۷۰-۱۷۴؛ محمد عالم مختار حق، ”اردو تراجم و تفاسیر“، ماہنامہ فیض الاسلام راولپنڈی، قرآن کریم نمبر، ۳۰: ۲-۱، شوال و ذوالقعدہ ۱۳۸۷ھ، مطابق جنوری و فروری (۱۹۶۸ء)، ۷: ۷۴؛ سید حمید شطاری، قرآن مجید کے اردو تراجم و تفاسیر کا تنقیدی مطالعہ ۱۹۱۳ء تک (ہندوستان: حیدرآباد، ۱۹۸۲ء)؛ احمد خان، قرآن کریم کے اردو تراجم (کتابیات)، نظر ثانی، سید عبدالقدوس ہاشمی (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷ء)؛ جمیل نقوی، اردو تفاسیر (کتابیات) (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۲ء)، ۱۲۱-۱۲۸؛ قاضی محمد زاہد الحسینی، تذکرۃ المفسرین (انک: دارالارشاد، ۱۴۲۵ھ)؛ فقیر محمد بن محمد عبداللہ، عالمی زبانوں میں تراجم قرآن مجید (لاہور: نوید پبلشرز، ۲۰۰۱ء)، ۱۳۰-۱۳۲؛ اعجاز فاروق اکرم، ”برصغیر میں مطالعہ قرآن تراجم و تفاسیر“ فکر و نظر، خصوصی شمارہ برصغیر میں مطالعہ قرآن، اسلام آباد، ۳-۴: ۶۷-۱۰۴؛ سید یحییٰ انصاری، اردو میں حمد و مناجات (کراچی: فضلی سنز، ۲۰۰۰ء)، ۱۱۷-۱۱۸؛ شبیر حسین خاں جوش یلیخ آبادی (متوفی ۱۹۸۲ء) کے سورہ رحمن کے منظوم ترجمہ کا حوالہ ہے۔ محمد حبیب اللہ قاضی چترالی، برصغیر میں قرآن مجید کا تنقیدی جائزہ (کراچی: زم زم پبلشرز، ۲۰۰۷ء)؛ محمد سعید شیخ، ”منظوم اردو تراجم و تفاسیر قرآن“، ماہنامہ تعمیر افکار کراچی، قرآن نمبر، ۲: ۸، ۹، ۱۰، ۱۱ اگست تا اکتوبر (۲۰۱۰ء)، ۲۲۱-۲۵۶؛ روش صدیقی، ”حریم نیم شبی، سورہ مزمل کی منظوم ترجمانی“، ماہنامہ تعمیر افکار کراچی، قرآن نمبر، ۱: ۶۸۶-۶۹۱، حصہ منظومات؛ سید ابوالخیر کشفی، ”سورہ رحمن، ترجمے کے ساتھ تفسیری تاثر (منظوم)“، ماہنامہ تعمیر افکار کراچی، قرآن نمبر، ۱: ۶۹۳-۷۱۴۔ درج بالا تمام حوالہ جات سے معلوم ہونے والے منظوم تراجم میں سے مکررات کو حذف کر کے یہ تعداد حاصل کی گئی ہے۔

۱۶- حسب سابق یہ تعداد درج ذیل کتب، مضامین اور اشاریہ جات سے ماخوذ ہے: محمد عالم مختار حق، ”قرآن مجید کے اردو تراجم و تفاسیر“، سیارہ ڈائجسٹ، قرآن نمبر، ۲: ۳۹۹-۴۳۰؛ ۳: ۲۷۲-۴۸۰؛ محمد باقر، ”پنجابی میں قرآن مجید کے مطبوعہ تراجم“، سیارہ ڈائجسٹ، قرآن نمبر، ۳: ۳۵۷-۳۶۰؛ احمد خان، قرآن کریم کے اردو تراجم (کتابیات) (۱۹۸۷ء)؛

بنگلا	۵	(۱۷)
پشتو	۳	(۱۸)
ہندی	۲	(۱۹)
سندھی	۲	(۲۰)
براہوی	۱	(۲۱)

ان کی مجموعی تعداد ۱۷۴ بنتی ہے، یہ وہ تعداد ہے جو مختلف حوالوں سے ہمیں حاصل ہوئی ہے، اس میں مکررات کے شمار سے حتی الامکان گریز کیا گیا ہے، تاہم مکمل اور جزوی تراجم و تفاسیر سبھی کو یکساں شمار کیا ہے، ظن غالب ہے کہ واقعی تعداد اس سے زیادہ ہے، جب کہ ابھی اس میں برصغیر کی کئی علاقائی اور مقامی زبانیں مثلاً گجراتی، سرائیکی، کشمیری وغیرہ کے منظوم تفسیری ادب کو شمار ہی نہیں کیا گیا، نیز برصغیر میں کیے گئے عربی اور فارسی منظوم تراجم و تفاسیر^(۲۲) کو بھی اس میں شامل نہیں کیا گیا، اگر ان سب کو بھی شمار کیا جائے تو یہ تعداد کہیں

-
- جمیل نقوی، اردو تفاسیر (کتابیات)، ۱۳۵-۱۳۸؛ فقیر محمد بن محمد عبداللہ، عالمی زبانوں میں تراجم قرآن مجید، ۱۳۰-۱۳۲؛ اعجاز فاروق اکرم، برصغیر میں مطالعہ قرآن تراجم و تفاسیر، ۶۷-۱۰۴۔
- ۱۷- ذوالفقار احمد قسمتی، ”بنگلہ زبان میں تراجم اور تفاسیر“، سیارہ ڈائجسٹ، قرآن نمبر، ۲: ۱۷۶-۱۷۹؛ اعجاز فاروق اکرم، برصغیر میں مطالعہ قرآن تراجم و تفاسیر، ۸۷۔
- ۱۸- حافظ محمد ادیس، ”پشتو ادب میں تفاسیر کا ذخیرہ“، سیارہ ڈائجسٹ، قرآن نمبر، ۲: ۱۸۰-۱۸۶؛ جمیل نقوی، اردو تفاسیر (کتابیات)، ۱۳۳-۱۳۶۔
- ۱۹- عبد الرحیم، لباب المعارف العلمیہ، (پشاور: فہرست کتب مکتبہ شریعہ دارالعلوم اسلامیہ، ب ت)، ۲۶، اس موقع پر سورہ والنحی کی ایک منظوم ہندی تفسیر کا حوالہ ہے۔ (مفتی محمد مشتاق تجاروی، ”قرآن مجید کے ہندی تراجم“، ماہنامہ تعمیر افکار کراچی، قرآن نمبر، ۲: ۲۲۶)، نظم معری میں ایک ہندی ترجمہ کا ذکر کیا ہے۔
- ۲۰- محمد سلیم، ”سندھی زبان میں قرآن مجید کے تراجم اور تفاسیر“، سیارہ ڈائجسٹ، قرآن نمبر، ۲: ۱۸۸-۱۹۱؛ اعجاز فاروق اکرم، ”برصغیر میں مطالعہ قرآن تراجم و تفاسیر“، فکر و نظر، خصوصی شمارہ برصغیر میں مطالعہ قرآن، ۹۳؛ جمیل نقوی، اردو تفاسیر (کتابیات)، ۱۳۹۔
- ۲۱- انعام الحق کوثر، ”بلوچستان میں قرآن مجید کے تراجم و تفاسیر“، فکر و نظر، خصوصی شمارہ برصغیر میں مطالعہ قرآن، ۳۵۷، سورہ فاتحہ کے منظوم ترجمہ کا ذکر ہے۔
- ۲۲- برصغیر کے منظوم عربی تراجم و تفاسیر کے لیے: عبدالحی حسنی، الثقافة الإسلامية في الهند، ۱۶۳-۱۷۲۔

سے کہیں جا پہنچے گی! الغرض برصغیر سے باہر کسی زبان میں اتنی بڑی مقدار میں منظوم تفسیری ادب کا دست یاب ہونا بہت مشکل ہے۔

اچنبھے کی بات تو یہ ہے کہ عربی جیسی وسیع و عریض زبان کا تفسیری ادب بھی اس معاملے میں برصغیر کے تفسیری ادب سے بہت پیچھے ہے، چنانچہ تفسیر و مفسرین سے متعلق تعارفی کتب اور فہارس و اشاریہ جات کے کئی سو صفحات کھگانے کے بعد بھی عربی کی چند منظوم تفاسیر ہی ملتی ہیں، جیسا کہ احمد بن محمد ادنوی (وفات گیارہویں صدی ہجری) کی طبقات المفسرین جس میں پہلی صدی ہجری تا گیارہویں صدی کے ۶۳۸ مفسرین اور ان کی ۶۰۰ کے لگ بھگ کتب تفسیر و متعلقات تفسیر کا تعارف ہے، جن میں صرف دو منظوم تفاسیر ہیں،^(۲۳) اسی طرح ۱۱۶ کتب و فہارس سے ماخوذ، اور ۳ جلدوں کے ۱۶۴۳ صفحات پر مشتمل فہرست مصنفات تفسیر القرآن الکریم جس میں تفسیر و متعلقات تفسیر کی ۶۱۲۴ کتابوں کا تعارف ہے،^(۲۴) اس کے آخر میں من تفاسیر القرآن الکریم المنظومة کے عنوان کے تحت صرف ۱۳ کتب کا اندراج ہے^(۲۵) پھر از اوّل تا آخر اس کی ورق گردانی کے بعد مزید ۷ کتب کا علم ہو سکا، اس طرح ان کی کل تعداد ۲۰ بنتی ہے، پاکستان میں اس موضوع پر قابل قدر تحقیقی کام کرنے والی شخصیت قاضی محمد زاہد الحسینی (متوفی ۱۴۱۷ھ) نے اپنی کتاب تذکرۃ المفسرین میں پہلی صدی ہجری تا چودھویں صدی کے تقریباً ۶۲۶ مفسرین کرام اور ان کی کتب کا تعارف کروایا ہے، ان کی اس

فہرست مصنفات تفسیر القرآن الکریم، ۱: ۲۸۲، ۳: ۳۳۸، ۴: ۱۲۷۰۔

اور برصغیر میں منظوم فارسی تراجم و تفاسیر کے لیے: محمد عالم مختار حق، ”قرآن مجید کے اردو تراجم و تفاسیر“، سیارہ ڈائجسٹ، قرآن نمبر، ۲: ۴۳۲؛ انعام الحق کوثر، ”بلوچستان میں قرآن مجید کے تراجم و تفاسیر“، فکر و نظر، خصوصی شمارہ برصغیر میں مطالعہ قرآن، ۳۶۰۔

۲۳۔ ادنوی، طبقات، ۳۵۷ - ۳۸۶۔

۲۴۔ مجمع الملک فہد لطباعة المصحف کے مرکز الدراسات القرآنیۃ کی تیار کردہ یہ فہرست، عربی کتب تفسیر کی اب تک سامنے آنے والی سب سے مفصل فہرست ہے۔

۲۵۔ فہرست مصنفات تفسیر القرآن الکریم، ۳: ۱۶۲۱۔

ان ۱۳ کتب میں سے بھی ۴ قرآن کریم کی تفسیر نہیں بلکہ متعلقات تفسیر پر مشتمل ہیں، اور باقی ۹ جو قرآن کریم کی منظوم تفاسیر ہیں، ان میں سے بھی چار برصغیر کے اہل علم کی تصانیف ہیں۔

کتاب سے بھی عربی کی چند منظوم تفاسیر ہی معلوم ہوتی ہیں، تاہم مکرر ہونے کی بنا پر اس تعداد میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔^(۲۶)

اور جہاں تک فارسی تفسیری ادب کا تعلق ہے، تو اس حوالے سے کبیر احمد جالنسی کا ایک تحقیقی مقالہ ”ایران کی تفسیر نویسی پر ایک نظر“ اس وقت سامنے ہے،^(۲۷) ۲۹ صفحات کے اس مقالہ میں دادِ تحقیق دیتے

۲۶- قاضی صاحب موصوف نے ناصر الدین محمد بن قرقماس بن عبداللہ حنفی (متوفی ۸۸۲ھ) کی تفسیر فتح الرحمن فی تفسیر القرآن کو منظوم تفاسیر میں شمار کیا ہے، اور اس کے اختصار نثر الجمان من فتح الرحمن کو اسی کی نثر قرار دیا ہے (تذکرۃ المفسرین، ۲۳۸) اور انھی کی دیکھا دیکھی مولوی فقیر محمد نے بھی اسے منظوم تفاسیر میں درج کر دیا (عالی زبانوں میں تراجم قرآن مجید، ۱۳۲)۔ حالانکہ احمد بن محمد ادنوی، طبقات المفسرین، ۳۴۵؛ حاجی خلیفہ، کشف الظنون، (بیروت: دار احیاء التراث، ب ت)، ۲؛ ۱۲۳۲ اور ۱۹۲۶؛ اسماعیل پاشا، ہدیۃ العارفین (بیروت: دار احیاء التراث)، ۲؛ ۵۸؛ عمر رضا کمالہ، معجم المؤلفین (بیروت: دار احیاء التراث، ب ت)، ۱۱؛ ۱۵۰ اور خیر الدین زرکلی، الأعلام (بیروت: دار العلم للملایین، ۲۰۰۲ء)، ۷؛ ۱۰ وغیرہ نے فتح الرحمن کا ذکر کیا ہے (فہرست مصنفات تفسیر القرآن الکریم، ۲: ۱۰۲۱) اور الجمان یا نثر الجمان کو اس کا اختصار کہا ہے، لیکن ان میں سے کسی نے بھی اسے منظوم تفسیر نہیں کہا، بلکہ حاجی خلیفہ نے فتح الرحمن کا جو ابتدائی حصہ نقل کیا ہے وہ حسب ذیل ہے:

اولہ: الحمد لله منزل القرآن لخبر أخرجت للناس... الخ قال: فلما يسر الکریم بختم کتابی فتح الرحمن قصدني عين الإخوان أن أخلص منه تفسيري المسجع على انفرادہ فما عدلت لأني جمعت فيه للنحاة وعلماء القراءات والمفسرين أقوالهم وما عن لي من إعراب وتفسير واعتراضات وتحرير فتكررت الآيات مرات الخ-

جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کوئی منظوم تفسیر نہیں، غالباً اس اشتباہ کی وجہ اس تفسیر کا مسجع ہونا ہے، حالانکہ مسجع عبارت کو نثر ہی کہا جاتا ہے (عمر فروغ، تاریخ الأدب العربی، ۱: ۴۴)، اردو میں بھی نثر مسجع میں لکھے ایک ترجمہ قرآن کا ذکر ملتا ہے (محمد عالم مختار حق، ”قرآن مجید کے اردو تراجم و تفاسیر“، سیارہ ڈائجسٹ، ۲: ۴۱۶)۔ اسی طرح ”سورہ رحمن“ کا ایک مقفی اردو ترجمہ بھی معلوم ہوا ہے (مولوی عبدالحق، ”پرانی اردو زبان میں قرآن مجید کے تراجم اور تفاسیر“، سیارہ ڈائجسٹ، ۲: ۱۷۱)۔

۲۷- ”ایران کی فارسی تفسیر نویسی پر ایک نظر“، ماہنامہ تعمیر انکار کراچی، قرآن نمبر، ۱۱: ۸، ۹، ۱۰، اگست تا اکتوبر (۲۰۱۰ء)، ۲:

ہوئے موصوف نے فارسی کے ابتدائی تراجم سے لے کر دسویں صدی تک کے اہم تراجم و تفاسیر کا جائزہ پیش کیا ہے، لیکن افسوس ہے کہ ان میں کوئی ایک بھی منظوم ترجمہ یا تفسیر شامل نہیں! لائق ملاحظہ ہے کہ عربی اور فارسی جیسی ادبی شہ پاروں سے بھرپور اور نابغہ روزگار نظم و نثر نگار ادیبوں سے مالا مال زبانیں جو برصغیر کی موجودہ زبانوں سے اور خاص طور پر اردو سے عمر میں کئی سو سال بڑی بھی ہیں، منظوم ترجمہ اور تفسیر کے رجحان میں بہت پیچھے نظر آتی ہیں۔

برصغیر میں منظوم ترجمہ و تفسیر کے رجحان کی مقبولیت کے اسباب

- یہاں یہ سوال پیدا ہونا یقینی ہے کہ آخر وہ کیا اسباب و عوامل تھے جن کی بناء پر برصغیر میں اس رجحان کو اس قدر پذیرائی اور مقبولیت حاصل ہوئی؟ اس سوال کے جواب میں حسب ذیل چند باتیں کہی جاسکتی ہیں:
- ۱- ترجمہ میں نگار اصل مضمون کے اسلوب اور انداز کی حکایت کی کوشش کرتا ہے، قرآن کریم کے الفاظ کی ترکیب بہت متوازن اور متناسب ہے، جب کہ ترجمے میں الفاظ کا توازن پیدا کرنے کے جذبے کی تسکین نثر سے ممکن نہیں۔
 - ۲- قرآن کریم اگرچہ شعر نہیں، تاہم اس کے کلام میں اس حد تک تسلسل، ترمیم اور صوتی آہنگ موجود ہے کہ مترجم کو نثر کی صورت میں ترجمہ کرتے ہوئے اس تسلسل اور ترمیم کو برقرار رکھنا مشکل محسوس ہوتا ہے، یہ چیز قادر الکلام مترجم کو نثر کے بجائے نظم پر آمادہ کرتی ہے۔
 - ۳- قرآن کریم کے الفاظ انتہائی فصیح و بلیغ، بر موقع اور برجستہ ہیں جس کی بنا پر کم الفاظ میں زیادہ معانی بیان ہو جاتے ہیں، جب کہ بہ صورت نثر ان کا ترجمہ کرتے ہوئے کثرت الفاظ کی وجہ سے ترجمے کا پھیلاؤ بہت بڑھ جاتا ہے۔
 - ۴- ادبا کے ہاں یہ بحث خاصی پرانی ہے کہ نثر و نظم کے مابین فوقیت اور برتری کس کو حاصل ہے، اگرچہ دونوں طرف اہل علم ہیں، تاہم اکثر نے نظم کو ترجیح دی ہے۔^(۲۸)
 - ۵- ترجمہ نگار کے طبعی میلان اور طرز نظم میں خصوصی مہارت کا بھی اس میں بڑا دخل ہے۔

۲۸- شریف راغب علاونہ، المفاضلة بين الشعر والنثر النقدي الأندلسي، (مکہ مکرمہ: مجلة جامعة أم القرى

- ۶- سامع اور قاری پر نثر کی بہ نسبت نظم زیادہ اثر انداز ہوتی ہے، لہذا ترجمے کی عوامی مقبولیت کی خواہش بھی اس کی ایک وجہ ہو سکتی ہے۔
- ۷- طرزِ نظم میں ادا ہونے والے مضمون کو یاد رکھنا بہ نسبت نثر کے آسان ہوتا ہے، یہ بھی اس کا ایک سبب ہے۔

لیکن سچی بات یہ ہے کہ یہ سب وجوہات اس رجحان کی پذیرائی کی اصلی اور طبعی وجوہات نہیں ہیں، بلکہ ثانوی اسباب و عوامل ہیں، کیوں کہ ان سے تمام زبانوں کے ترجمہ و تفسیر نگاروں کو یکساں واسطہ ہے، اور برصغیر کے مترجمین سے ان وجوہات کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں!

راقم الحروف کے ناقص خیال میں اس کی صحیح وجہ تلاش کرنے کے لیے اس ماحول اور علمی و مذہبی فضا کو مد نظر رکھنا ضروری ہے جس میں برصغیر کے ترجمہ قرآن نے آنکھ کھولی اور نشوونما پائی، اس ماحول میں دو امور خاص طور پر لائق ملاحظہ ہیں:

۱- ایک طرف تو یہ نظر آتا ہے کہ یہاں کی مذہبی کتابوں اور دینی مضامین کا پیرایہ بیان صدیوں سے نظم چلا آ رہا تھا، جس کی وجہ سے یہاں کی زبانیں مذہبی بیانات کو نظم میں کہنے، اور یہاں کے کان نظم میں سننے کے عادی تھے، چنانچہ ہندو دھرم جس کا اس وقت برصغیر میں اسلام کو سب سے زیادہ سامنا تھا، اس کی مذہبی کتابیں منظوم تھیں، جیسا کہ ابوریحان البیرونی (متوفی ۴۳۰ھ) کا بیان ہے: ”وکتبہم فی العلوم مع ذلک منظومة بأنواع من الوزن فی ذوقہم قد قصدوا بذلک انحفاظہا علی حالہا و تقدیرہا و سرعۃ ظهور الفساد فیہا عند وقوع الزیادۃ و النقصان لیسہل حفظہا فإن تعویلہم علیہ دون المکتوب.“^(۲۹) (اس کے علاوہ ان کی علمی کتابیں ان کے مذاق کے مطابق شعر کے مختلف اوزان میں منظوم ہیں، جس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ کتابیں اپنی اصلی حالت و مقدار میں محفوظ رہیں، اور کمی بیشی ہونے کی حالت میں خرابی کا فوراً پتلا جائے، اور نیز ان کا یاد رکھنا آسان ہو اس لیے ہندوؤں کو حفظ پر جو اعتماد ہے تحریر پر نہیں ہے۔)^(۳۰)

۲۹- ابوریحان محمد بن احمد البیرونی، تحقیق ما للہند من الدیانۃ من مقولۃ مقبولۃ فی العقل أو مردولۃ (حیدرآباد:

دکن، دائرۃ المعارف الثمانیۃ، ۱۳۷۷ھ)، ۱۴۔

۳۰- نامعلوم، ہندو دھرم ہزار سال پہلے، اردو ترجمہ و تلخیص ابوریحان البیرونی، تحقیق ما للہند من الدیانۃ من مقولۃ

مقبولۃ فی العقل أو مردولۃ، (لاہور: نگارشات پبلشرز، ۲۰۰۷ء)، ۷۔

اور اسی بات کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

وقد كنا قدمنا من كتبهم أنها مقدره بأوزان كالأراجيز وأكثرها بوزن يسمي "شلوک" للسبب الذي قدمناه، و جالينوس يرتضي ذلك ويقول في كتاب قاطاجانس: إن الحروف المفردة لأوزان الأدوية تفسد بالنسخ و تفسد أيضًا بتعميه الحاسد و لهذا استحق "ديمقراطيس" أن تختار كتبه في الأدوية و يشهر أمرها و تحمد لأنها مكتوبة بشعر موزون في اليونانية، لكان جميلاً، و هذا لأن المنشور أقبل للفساد من المنظوم، و ليس بيد على ذلك النظم السائر، بل هو بنظم غيره، فمنهم من يقول: إنه معجز لا يقدر أحد منهم أن ينظم مثله، و المحصلون منهم يزعمون أن ذلك في مقدورهم لكنهم ممنوعون عنه احتراماً له. (۳۱)

ہم بیان کر چکے ہیں کہ ہندوؤں کی کتابیں رجز کی طرح وزن کے ساتھ (یعنی نظم میں) لکھی جاتی ہیں اور اکثر کتابیں اس وزن میں ہیں جس کا نام "اشلوک" ہے، ہم اس کا سبب بھی بتلا چکے ہیں۔ جالینوس بھی اسی طریقے کو پسند کرتا ہے، اور کتاب قاطاجانس میں کہتا ہے: "مفرد حروف میں دواؤں کے اوزان لکھے جاتے ہیں، مٹ کر خراب ہو جاتے ہیں۔ دشمن بھی ان کو مخفی طریقے پر بگاڑ سکتا ہے، اس وجہ سے دوا میں دیمقراطیس کی کتابیں اس لائق ہیں کہ ان کو ترجیح دی جائے، ان کی شہرت اور ان کی تعریف کی جائے، یہ کتابیں یونانی زبان میں موزون شعر میں لکھی گئی ہیں، (اگر سب کتابیں اسی طرح لکھی جاتیں) تو خوب ہوتا، اس کا سبب یہ ہے کہ نثر میں خرابی قبول کرنے کی صلاحیت نظم سے زیادہ ہے۔ بید (یعنی وید) اس مروجہ نظم میں نہیں ہے، بلکہ وہ دوسری قسم کی نظم ہے، بعض لوگ کہتے ہیں وہ معجز ہے ان میں سے کوئی اس کی مثل نظم بنانے پر قادر نہیں ہے، ان کے علماء محققین کا خیال یہ ہے کہ ان میں ایسی نظم بنانے کی صلاحیت ہے لیکن ادب سے ان کو ایسا کرنے کی ممانعت ہے۔ (۳۲)

اتنا ہی نہیں، بلکہ ان کتابوں کی نظم کے باقاعدہ اوزان تھے، جن کے لیے ان کو ایک طرح کا علم عروض بھی حاصل کرنا پڑتا تھا، اور وہ ترنم کے ساتھ پڑھی اور سُنی جاتی تھیں، جس سے سننے والے معنی سے ناواقف ہونے کے باوجود بھی محفوظ ہوتے تھے، چنانچہ ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

ويتلوه "چند"، وهو وزن الشعر المقابل لعلم العروض، لا يستغنون عنه، فإن كتبهم منظومة و قصدهم فيها أن يسهل استظهارها ولا يرجع في العلوم إلى الكتاب إلا عن

۳۱- البیرونی، تحقیق ما للہند، ۹۷-۹۸-

۳۲- البیرونی، ہندو دھرم ہزار سال پہلے، ۱۱۷-

ضرورة، وذلك لأن النفس تواقفة إلى كل ما له تناسب و نظام و مسمتزة عما لا نظام له، و من أجل هذا ترى أكثر الهندیہتوں لمنظومہم و یحرضون علی قرائتہ و إن لم یعرفوا معنایہ، و یفرقون أصابعہم فرحاً بہ و استجادة له، و لا یرغبون للمثنوی و إن سہلت معرفتہ، و أكثر کتبہم ”شلوکات“... الخ^(۳۳)

اور ”یا کرن“ (ہندی کی نحو) کے ساتھ ہی ایک علم ”چند“ بھی ہے، جو عربی کے علم عروض کے مد مقابل (ہندی کے) اشعار کے اوزان کا علم ہے، اہل ہند کے لیے اس علم کو سیکھے بغیر کوئی چارہ نہیں، کیوں کہ ان کی کتابیں منظوم ہیں، کتابوں کے منظوم ہونے سے ان کی غرض یہ ہے کہ ان کا یاد کرنا آسان رہے، اور علوم میں کتابوں کی طرف رجوع صرف بوقتِ ضرورت ہی کیا جائے، وجہ اس کی یہ ہے کہ انسانی طبیعت ہر متوازن اور متناسب چیز کی طرف متوجہ ہوتی ہے، جب کہ غیر متناسب اور غیر متوازن چیز سے دور بھاگتی ہے، اسی لیے تو آپ کو نظر آئے گا کہ اکثر ہندو اپنی کتابوں کے ان منظوم مضامین کو سن کر بے خود ہو جاتے ہیں، ان کے معنی و مطلب سے ناواقف ہونے کے باوجود ان کو پڑھنے کے حریص ہوتے ہیں، اور ان کی عمدگی سے متاثر ہو کر خوشی سے جھومتے ہوئے اپنی انگلیاں بجانے لگتے ہیں، جب کہ نثر میں بیان کیے گئے مضامین کے بہ آسانی سمجھ آ جانے کے باوجود ان میں دل چسپی نہیں لیتے، اور ان کی کتابوں کے اکثر حصے ”اشلوک“ ہیں۔

غالباً اسی کا اثر ہے کہ آج بھی پاک و ہند کے دیہی علاقوں میں مسلمانوں کے ہاں بھی ایسے خطبا و واعظین کی خوب پذیرائی ہوتی ہے جو پر تکلف نظم و سجع کا سہارا لے کر بات کرتے ہیں، چاہے وہ کیسے بے تکے مضامین ہی بیان کریں، ان کو بہت دل چسپی سے سنا اور سراہا جاتا ہے۔

۲- دوسری طرف یہاں کے مسلمانوں کی علمی مجالس پر فارسی زبان و ادب، تہذیب و تمدن اور رنگ و ڈھنگ کا غلبہ تھا جس میں شاہنامہ، گشتاسپ نامہ، ہفت پیکر اور شیریں و خسرو جیسے قصوں اور مثنویوں کی بازگشت سنائی دے رہی تھی، یہی وجہ ہے کہ اردو ادب کی بالکل ابتدائی کتب میں فارسی کی صنفِ مثنوی بہت نمایاں نظر آتی ہے،^(۳۴) اور تو اور شروع میں قرآن کریم کے منظوم تراجم بھی انھی سورتوں کے کیے گئے جو قصوں پر مشتمل تھیں،

۳۳- البیرونی، مصدر سابق، ۱۰۵-۱۰۶۔ وید اور ہندوؤں کی دیگر مذہبی کتب سے متعلق اہم معلومات کے لیے ملاحظہ فرمائیے:

سید احمد دہلوی، فرہنگِ آصفیہ (حیدرآباد: دکن)، ۳: ۶۵۹، لفظ وید۔

۳۴- مرزا محمد عسکری، اردو ترجمہ: ہسٹری آف اردو لٹریچر (از رام بابو سکینہ)، ۷۵؛ خواجہ الطاف حسین حالی، مقدمہ شعر و

شاعری (لاہور: کشمیر کتاب گھر، ب ت)، ۱۷۵۔

اور ان کے لیے انداز بھی داستان گوئی کا ہی اختیار کیا گیا، مثلاً سورہ یوسف کے منظوم تراجم و تفاسیر کو ”یوسف زلیخا“ جیسے ناموں سے موسوم کیا گیا،^(۳۵) اور ان کے منظوم ترجمہ و تفسیر کے لیے صنف بھی مثنوی ہی کی اختیار کی گئی۔ راقم کے ناقص خیال کے مطابق ان دو عوامل نے مل کر جو مذہبی اور علمی ماحول پیدا کر رکھا تھا اس میں پروان چڑھتی اردو ترجمہ و تفسیر نگاری کا اس سے متاثر ہونا ایک طبعی امر تھا، چنانچہ اس ماحول نے برصغیر میں منظوم ترجمہ اور تفسیر نگاری کے رجحان کی راہ ہموار کرنے اور ترویج میں خاص کردار ادا کیا۔

اردو میں منظوم ترجمے کے رجحان کی ابتدا اور اوّلین منظوم ترجمہ

برصغیر کی زبانوں میں سے اردو کو یہ فخر حاصل ہے کہ دنیا بھر کی زبانوں میں سب سے زیادہ قرآن کریم کے تراجم اسی میں ہوئے ہیں، اور ایک اندازے کے مطابق اردو میں گیارہ سو سے زائد کلی و جزوی تراجم ہو چکے ہیں،^(۳۶) گذشتہ سطور سے یہ بھی ظاہر ہو چکا کہ برصغیر کے منظوم تفسیری ادب میں بھی سب سے زیادہ حصہ اردو کا ہے۔

اردو میں منظوم ترجمہ و تفسیر کے رجحان کی ابتدا پر جب غور کیا جاتا ہے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اردو شاعری کے آغاز کے دوران ہی اردو میں منظوم ترجمہ قرآن کی طرح پڑچکی تھی، جس کی ابتدائی صورت یہ تھی کہ اردو کے شاعر اپنے حمدیہ نغموں اور نعتیہ زمزموں میں قرآن کریم کی آیات کے جزوی منظوم تراجم کرنے لگے تھے، چنانچہ اردو شاعری کا باقاعدہ آغاز پندرہویں صدی عیسوی کے اوائل (یعنی نویں صدی ہجری) سے ہوا، ۸۲۵ھ / ۱۴۲۱ء اور ۱۴۳۹ھ / ۱۴۳۴ء کے درمیان لکھی گئی فخر دین نظامی کی تصنیف کدم راؤ پدم راؤ جسے اردو کی پہلی مصدقہ قدیم ترین تصنیف تسلیم کیا گیا ہے، اس کی ابتدا میں نظامی نے جو حمدیہ اشعار کہے ہیں ان میں یہ بیت بھی ہیں:

سپت سمند پانی جو مس کر بھریں
قلم رک رک پان پتر کریں
جمارے لکھیں سب فرشتے کہ جے
نہ پورن لکھن تد توحید تے^(۳۷)

۳۵- مولوی عبدالحق، ”پرائی اردو زبان میں قرآن مجید کے تراجم اور تفاسیر“، سیارہ ڈائجسٹ، ۲: ۱۷۰۔

۳۶- مولوی فقیر محمد، مرجع سابق، ۸: ۷۸؛ اعجاز فاروق اکرم، مرجع سابق، ص ۸۲۔

۳۷- سید بیگم انشیتا، اردو میں حمد و مناجات، ۲۵- فخر دین نظامی کے حالات اور ان کی کتاب سے متعلق دیگر اہم معلومات کے لیے

ملاحظہ فرمائیے: تبسم کاشمیری، اردو ادب کی تاریخ (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء)، ۸۰-۸۸۔

نظامی ان اشعار میں کہہ رہا ہے کہ ساتوں سمندروں کی سیاہی اور سارے نباتات کے قلم بنا ڈالے جائیں اور تمام فرشتے تیری قدرتِ کاملہ کو تحریر میں لائیں تب بھی وہ نہیں لاسکتے،^(۳۸) ملاحظہ فرمائیے کہ یہ سورہ کہف کی آیت نمبر ۱۰۹: ﴿قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لَّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفَذَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ نُنْفِذَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا﴾ کا منظوم ترجمہ ہے۔^(۳۹) اسی طرح دسویں صدی ہجری میں شیخ بہاؤ الدین باجن (متوفی ۹۱۲ھ / ۱۵۰۶ء) نے اپنے حمدیہ اشعار میں درج ذیل شعر بھی رقم فرمایا ہے:

نا انہ جینا، نا وہ جانا، نا انہ مائی
 باپ کھیلیا، نا انہ کوئی گود چڑھایا
 ماجن سبہ انہ آپن پایا، پرگٹ ہوا
 پر کہیں نہ بیٹھا رہیا آپ گھایا^(۴۰)

غور کرنے سے یہ سورہ اخلاص کا منظوم ترجمہ معلوم ہوتا ہے، اور اسی شعر کے پیش نظر بعض حضرات نے شیخ بہاؤ الدین باجن کو نہ صرف مفسرین میں درج کر دیا ہے، بلکہ آپ کی طرف ایک منظوم تفسیر بھی منسوب کر دی ہے،^(۴۱) حالاں کہ یہ اشعار شیخ باجن کی خزانہ رحمت کے قلمی نسخے سے نقل کیے گئے ہیں، جو کہ مجموعہ کلام ہے، کوئی منظوم تفسیر نہیں،^(۴۲) مزید برآں شیخ باجن کے تذکرہ نگاروں نے نہ ان کو مفسر کی حیثیت سے یاد کیا اور نہ ان کی کوئی تفسیر بتائی ہے۔^(۴۳) لہذا اسے اردو میں منظوم ترجمہ نگاری کی ابتدائی صورت تو کہا جاسکتا ہے، لیکن اس کی بنا پر کسی شاعر کو مفسر اور اس کے اشعار کو تفسیر کا عنوان دینا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

۳۸- سید یحییٰ نشیط، اردو میں حمد و مناجات، ۲۵۔

۳۹- اسی کے ہم معنی سورہ لقمان کی آیت نمبر ۲۷ کے ترجمہ کو میر تقی میر (متوفی ۱۲۲۵ھ) نے اس طرح نظم کیا ہے:

اشجار ہوویں خامہ و آب سیہ بخار
 لکھنا نہ تو بھی ہو سکے اس کی صفات کا

(نشیط، مرجع سابق، ۶۷)۔

۴۰- نفس مرجع، ۲۸۔

۴۱- جمیل نقوی، اردو تقاسیر (کتابیات)، ۱۳۹؛ قاضی محمد زاہد الحسینی، تذکرۃ المفسرین، ۲۵۱؛ مولوی فقیر محمد، ۷۷۔

۴۲- نشیط، مرجع سابق، ۲۸، اور ۲۶۲؛ تبسم کاشمیری، اردو ادب کی تاریخ، ۵۸-۶۰۔

۴۳- عبدالحی حسنی، الإعلام بمن فی تاریخ الهند من الأعلام (بیروت: دار ابن حزم، ۱۴۲۰ھ)، ۳۲۰؛ تبسم کاشمیری،

اردو ادب کی تاریخ، ۵۸-۶۰۔

اس پس منظر کو مد نظر رکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ منظوم ترجمہ قرآن کا رجحان جو نویں صدی ہجری میں عربی سے ترکی نے سیکھا تھا، وہ دسویں صدی ہجری میں برصغیر منتقل ہو رہا تھا، اور برصغیر کے اردو شاعر اس کو اپنے حمدیہ اشعار میں برتنے لگے تھے،^(۳۳) جس کی بدولت اردو زبان باقاعدہ منظوم ترجمہ نگاری کی طرف رفتہ رفتہ قدم بڑھا رہی تھی، اور قریب تھا کہ برصغیر کی موجودہ زبانوں میں اولین منظوم ترجمہ کا اعزاز بھی اردو کو مل ہی جاتا، کہ گیارہویں صدی میں حافظ برخوردار نے نواب جعفر خان کی فرمائش پر سنہ ۱۰۹۰ھ میں سورہ یوسف کی پنجابی منظوم تفسیر بنام احسن القصص لکھ کر یہ سہرا پنجابی زبان کے سرسجاد دیا،^(۳۵) اس کے ۱۹ سال بعد محمد امین نے اپنے پیش رو کی مکمل پیروی کرتے ہوئے سنہ ۱۱۰۹ھ میں سورہ یوسف ہی کی گجراتی اردو میں منظوم تفسیر لکھ کر^(۳۶) نہ صرف یہ کہ اردو کو اس حوالے سے دوسرا درجہ دلایا، بلکہ اردو کے منظوم تفسیری ادب کی وہ خشتِ اول بھی رکھ دی کہ جس کی بنیاد پر قائم ہونے والی دیوارِ اوجِ ثریا تک جا پہنچی۔

منظوم ترجمہ نگاری سے متعلق اہل علم کے تحفظات اور خدشات

شروع شروع میں منظوم ترجمہ نگاری سے متعلق اہل علم کی رائے کچھ زیادہ حوصلہ افزا نہیں تھی، اور ان کا خیال یہ تھا کہ ایک عام کلام کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا مشکل ہوتا ہے، پھر قرآن کریم جیسی کتابِ اعجاز کا ترجمہ تو اور بھی مشکل کام ہے،^(۳۷) جب کہ نظم میں چوں کہ بحر، قافیہ اور وزن کی پابندیاں بھی دامن گیر ہوتی ہیں، اس لیے ایسا منظوم ترجمہ کرنا جس میں قرآن کریم کا مضمون بے کم و کاست ادا ہو جائے تقریباً ناممکن،

۳۴۔ اسی قسم کے مزید حمدیہ اشعار کے لیے ملاحظہ فرمائیے: سید یحییٰ نشیط، اردو میں حمد و مناجات، ۲۸، ۳۳، ۳۷، ۴۰، ۴۲، ۴۴، ۶۳، ۶۷، ۷۲، ۸۰، ۹۳، ۹۸، ۱۰۳، ۱۱۱، ۱۰۲، ۱۲۱، ۱۲۴، ۱۳۲، ۱۳۷، ۱۵۷۔

۳۵۔ اعجاز فاروق اکرم، ”برصغیر میں مطالعہ قرآن تراجم و تفاسیر“، ۹۴۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کے بیان سے یہی معلوم ہوتا ہے، لیکن قابلِ غور ہے کہ سیارہ ڈائجسٹ، قرآن نمبر (۳: ۲۷۹) میں محمد علی فائق کے منظوم ترجمہ قرآن کو پنجابی کا اولین ترجمہ شمار کیا ہے، تاہم اس کی کوئی تاریخ درج نہیں کی گئی۔

۳۶۔ مولوی عبدالحق، ”پرانی اردو زبان میں قرآن مجید کے تراجم اور تفاسیر“، سیارہ ڈائجسٹ، قرآن نمبر، ۲: ۱۷۰۔ اعجاز فاروق اکرم، ”برصغیر میں مطالعہ قرآن تراجم و تفاسیر“، ۸۲۔ ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ جمیل نقوی کا سنہ ۱۱۹۳ھ میں تحریر کی گئی شاہ غلام مرتضیٰ جنون الہ آبادی کی تفسیر مرتضوی کی تفسیر پارہ عم کو اردو منظوم تفسیر میں اولیت کا درجہ دینا درست نہیں۔ (ملاحظہ کیجیے: جمیل نقوی، اردو تفاسیر (کتابیات)، ۲۶)۔

۳۷۔ محمد سلیم، ”ترجمہ قرآن کے مسائل اور ان کا حل“، ماہنامہ تعمیر افکار کراچی، قرآن نمبر، ۲: ۳۸۰-۳۰۳۔

اور اس میں معنوی تحریف کا کھٹکا ہے، علاوہ ازیں شعرا عام طور پر تخیل اور شعری ضروریات پر زیادہ توجہ رکھتے ہیں اور تفسیر و مفسر کی شرائط و آداب کو بہت زیادہ ملحوظ نہیں رکھتے، جس کے وجہ سے ان کے ہاتھوں قرآن کریم کے تختہ مشق بننے کا خدشہ بھی ہے!

یہ بات بڑی حد تک معقول بھی تھی، اور اسی وجہ سے درج ذیل فتویٰ بھی دیا گیا تھا: ”رجل نظم القرآن بالفارسیة یقتل لأنه کافر.“^(۴۸) غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ مشق سخن کے لیے قرآن کریم کو بازیچہ اطفال بنانے میں اس کی اہانت کا پہلو ہے، اسی لیے آٹھویں صدی ہجری تک منظوم ترجمہ و تفسیر نگاری کے رجحان کو کوئی خاص مقبولیت نہیں ملی، اور عربی تفسیری ادب میں اس نوعیت کی نمایاں خدمت نہ ہو سکی۔ چنانچہ دسویں صدی ہجری میں جب مشہور شافعی محدث، فقیہ و مفسر بدر الدین محمد بن محمد عامری غزی (۹۰۴ھ - ۹۸۴ھ) نے التیسیر فی التفسیر کے نام سے منظوم تفسیر لکھی تو ان پر اہل علم کی اکثریت کو اعتراض ہوا،^(۴۹) اور درج ذیل دل چسپ واقعہ پیش آیا:

التفسیر الغریب جعله نظماً فی مائتہ ألف بیت و زیادة، واختصره ایضاً نظماً، وقدمه إلی السلطان سلیمان بن سلیم صاحب الروم، فقابلہ بالإجلال والقبول، وطلب علماء الروم و عرض علیہم ذلک التفسیر وقال: ما رأیکم؟ فقالوا: نجتبع ونبذل النصیحة، فإن وجدنا فیہ زیادة أو نقصاناً أو تبدیلاً فی القرآن العظیم فی حروفه أو شکله رفعنا ذلک إلیکم، واستحق ما یقتضیه الشرع، وإن وجدناه علی سنن الاستقامة استحق مؤلفه الجائزة والكرامة لأنه قد فعل فی زمنک ما لم یفعله غیره، فقال له السلطان: أنتم مقلدون فی هذا الشأن، فتأملوه حرفاً حرفاً فلم یجدوا فیہ تحریفاً ولا تغییراً ولا تکلفاً ولا تعسفاً، ففضوا من ذلک العجب، وأخبروا السلطان فأعظم جائزته، وانفصل المؤلف من القسطنطینیة بمال عظیم فی غایة من التعظیم.^(۵۰)

۴۸ - فتاویٰ عالمگیریہ (کراچی: قدیمی کتب خانہ، ب ت)، ۲: ۲۶۷۔

۴۹ - ادنوی، طبقات، ۳۸۶۔

۵۰ - محمد بن علی الشوکانی، البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن التاسع (قاہرہ: دار الكتاب الإسلامی،

ب ت)، ۲: ۲۵۲۔

(بدر الدین غزی) جن کی ایک عجیب و غریب تفسیر بھی ہے، جسے انھوں نے دولاکھ سے زائد اشعار پر مشتمل نظم کی صورت میں مرتب کیا، پھر نظم کی صورت میں ہی اس کا اختصار بھی کیا، وہ اس منظوم تفسیر کو لے کر صاحبِ روم سلطان سلیمان بن سلیم کے پاس گئے، سلطان نے ان کی بہت عزت افزائی اور خاطر کی پھر روم کے تمام علما کو اس سے متعلق ان کی رائے دریافت کرنے کے لیے بلا بھیجا، ان علما نے کہا کہ ہم سب اس پر ایک اجتماع منعقد کر کے پوری خیر خواہی کے ساتھ غور کریں گے، اگر ہمیں اس تفسیر میں کوئی کمی بیشی، یا قرآن کریم کے حروف اور رسم الخط وغیرہ میں کوئی فرق نظر آیا تو ہم اس سے متعلق آپ کے ہاں مقدمہ دائر کریں گے، اور انھیں اس کی شرعی سزا ملے گی، اور اگر ہمیں اس کے طرز میں کوئی خامی نظر نہ آئی، تو اس تفسیر کے مؤلف خصوصاً اعزاز و اکرام کی حق دار ہوں گے، کیوں کہ انھوں نے آپ کے عہد میں وہ کارنامہ سرانجام دیا ہے جو کسی اور نے نہیں دیا، تو سلطان نے ان کی اس بات کو قبول کیا اور ان کے فیصلے پر عمل درآمد کی یقین دہانی کروادی، پھر (ان علما نے اجلاس بلا کر) اس تفسیر پر حرف بہ حرف غور کیا، نتیجتاً انھیں اس میں نہ کوئی تحریف و تبدیلی نظر آئی اور نہ کوئی تکلف اور مصنوعی پن محسوس ہوا، تو انھیں اس پر بڑا تعجب ہوا، اور انھوں نے اپنے فیصلے سے سلطان کو مطلع کر دیا، چنانچہ سلطان نے ان کو بڑے انعام سے نوازا، اور اس تفسیر کے مؤلف بڑے مال و دولت اور عزت افزائی کے ساتھ قسطنطنیہ سے واپس لوٹے۔

اس واقعے سے منظوم ترجمہ نگاری کے رجحان سے متعلق جہاں اہل علم کے خدشات اور تحفظات کا علم ہوتا ہے، وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک عربی اور ترکی میں اس رجحان کو خاص اہمیت نہیں ملی تھی، اسی طرح اس حوالے سے اس وقت کے ماحول کا بھی اندازہ ہوتا ہے، اور یہ بھی پتا چلتا ہے کہ خلافت عثمانیہ کے فقہاء کا منظوم ترجمہ نگاری کے محتاط استعمال کے جواز پر اجماعی موقف سامنے آگیا تھا، یقیناً اس واقعے کے بعد منظوم ترجمہ اور تفسیر نگاری کے رجحان میں اضافہ ہوا ہو گا۔

اردو میں منظوم ترجمہ نگاری اور برصغیر کے اہل علم

اسی جیسی کچھ صورت حال برصغیر کے اہل علم کو بھی پیش آئی، چنانچہ جب یہاں اس رجحان کے تحت منظوم تراجم و تفاسیر شائع کیے جانے لگے، تو انھوں نے بھی ایسے ہی خدشات کا اظہار کیا، پھر جب اردو کے بعض محتاط اور قادر الکلام شعرا نے مستند علما کی نگرانی میں اس نوعیت کی خدمت سرانجام دی، تو بہت سے اہل علم نے ان پر اپنی آرا میں اس کی تائید کر دی۔

چنانچہ علامہ عاشق حسین سیماب اکبر آبادی (متوفی ۱۹۵۱ء) کے وحی منظوم پر مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا عتیق الرحمن عثمانی، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، مولانا عبدالنعیم صدیقی، مولانا محمد صادق سندھی، مولانا محمد میاں، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا محمد نعیم لدھیانوی اور

کیا ہی اچھا ہو اگر منظوم ترجمہ نگار حضرات ان احتیاطات کے ساتھ ساتھ ان ”التزامات“ کو بھی ملحوظ رکھیں جن کو جناب اثرزبیری صاحب نے اپنے ترجمے میں برتا اور مقدمے میں تفصیل سے ذکر بھی کر دیا ہے،^(۵۴) ان احتیاطی پہلوؤں کو مد نظر رکھ کر اگر یہ خدمت کی جائے تو امید ہے کہ مفید علمی اور تفسیری خدمت ہوگی، یہ ایک علاحدہ بات ہے کہ آج تک کسی بھی منظوم ترجمہ یا تفسیر کو وہ قبول عام حاصل نہیں ہوا جو نثر کی صورت میں لکھے گئے متعدد تراجم و تفاسیر کو حاصل ہے۔

